بیمہ کا نعم البدل



حُضور فیض ملت مُفسر اعظم پاکستان
حضرت علامہ الحافظ ابو صالح مفتی







پیش لفظ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ اَجۡمَعِیۡنَ

یہ رسالہ "بیمہ کا نعم البدل" ماہنامہ فیضِ عالم بہاولپور میں دو قسطوں میں شائع ہوا۔ اب اسے مقدمہ سے مُزَیَّن (آراستہ) کرکے اشاعت کے لئے الحاج محمد احمد قادری اور حاجی محمد اسلم قادری کراچی باب المدینہ کے سپرد کرتا ہوں۔ مولیٰ عزوجل اسے فقیر اور ناشرین کے لئے توشۂ راہِ آخرت اور عوام اہل اسلام کے لئے مشعل راہِ ہدایت بنائے۔ آمین

بِجَاہِ سَیِّدِ الۡمُرۡسَلِیۡنِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَآلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ اَجۡمَعِیۡنِ

مدینے کا بھکاری

الفقیر القادری ابوالصالح محمد فیض احمد اُویسی رضوی غفرلہ

بہاول پور۔ پاکستان

۲۲ شوال المکرم ۱۴۲۳ھ

☆......☆......☆

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡم

نَحۡمَدُهٗ وَنُصَلِّیۡ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوۡلِهِ الۡكَرِيۡمِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصۡحَابِهٖ اَجۡمَعِيۡنَ

امابعد! قیامت جوں جوں قریب ہوتی جارہی ہے اسلام میں نہ صرف ضُعف (ناتوانی) بلکہ اس کے آثار مٹائے جارہے ہیں۔ چنانچہ ظاہر ہے کہ اسلام کے ہر مسئلہ میں رَخنَہ اَنْدازی (اڑچن پیدا) کی جارہی ہے تاکہ مسلمانوں کے ذہنوں میں انتشار ہو اور وہ اسلام سے بد ظن ہوں۔ بالخصوص معاشی اُمور میں تو گویا زلزلہ بَپا (برپا، قائم) ہے کہ آئے دن طرح طرح کے نئے طریقے ایجاد کئے جاتے ہیں جس میں سود کے تَغَلُّب (غلبہ) میں سعی کی جاتی ہے مثلاً بیمہ کو دیکھ لیجئے کہ اس کا ہر شعبہ سودی امور سے لبریز ہے۔ فقیر نے اپنی استطاعت پر قلمی جہاد جاری رکھا ہوا ہے۔ اگرچہ فقیر کا جہاد کس کام کا جہاں بالمقابل زبردست قوت ہے لیکن کریم رب تعالیٰ سے اُمید ہے کہ وہ کرم فرمائے تو فتح ہی فتح ہے۔ اس رسالہ میں فقیر صرف بیمہ کا نعم البدل عرض کرتا ہے ممکن ہے کسی بندۂ خدا کو ہدایت کا موقعہ نصیب ہو۔

لغوی معنی: بیمہ فارسی زبان کے لفظ بیم سے ماخوذ ہے جس کا معنی خوف واندیشہ ہے۔ معاہدۂ بیمہ سے اس لفظ کی تھوڑی سی مناسبت یہ ہے کہ اس میں معاشی زبوں حالی یا مالی نقصانات کے اندیشہ سے تحفظ وامان حاصل ہوتا ہے اس لئے اسے عہد قدیم میں "بیمہ" کے نام سے موسوم کیا گیا۔ اُردو زبان کی مستند لغت "فرہنگ آصفیہ" میں ہے۔

بیمہ: از بیم۔ اندیشہ ضرر کا ذمہ، ضمانت، جب سوداگر لوگ نقدی یا جنس وغیرہ کہیں بھیجتے ہیں تو وہ اس شخص کو جو اس کے ضائع یا تَلَف (نقصان) ہو جانے پر دام بھر دینے کا اقرار کرتا ہے کچھ کمیشن دیتے ہیں اور اس شرط یا اطمینان کو بیمہ کہتے ہیں۔ (فرہنگ آصفیہ، جلد ۱، صفحہ ۴۶۹، ترقی اُردو بیورو، دلی)

انگریزی زبان میں اس کا متبادل لفظ انشور (INSURE) ہے جس کا معنی "یقین دہانی" ہوتا ہے اور عربی میں اسے "عقد التامین" کہتے ہیں یعنی "معاہدۂ امان" بیمہ، انشور اور تامین سب میں حفظ وامان کا مفہوم قدرِ مشترک کے طور پر پایا جاتا ہے۔ فقہ اسلام میں اس کی قسمیں اور تحقیق مزید ملاحظہ ہو۔ ہم یہاں اس کی شرعی حیثیت عرض کرتے ہیں۔

بیمہ کی شرعی حیثیت: بیمہ کا معاہدہ بَیع (بکری) ہے۔ مُستامن (پناہ یا امان کا طالب) جو رقم قسط وار ادا کرتا ہے وہ معاوضہ ہے اُس تحفظ کا جو مؤمن کی جانب سے فراہم کیا جاتا ہے اور یہ تحفظ بیمہ کی رقم کی ادائیگی کی صورت میں ہوتا ہے۔ مستامن بَرَوَقت (بالکل صحیح وقت پر) صرف ایک قسط ادا کرتا ہے باقی اس کے ذمہ دَین (قرض) ہے اور بیمہ کی رقم مؤمن کے ذمہ دین ہے اس طرح یہ معاہدہ بیع الدین بالدین پر مشتمل ہے۔

اس معاہدے میں کئی وجہ سے غرر پایا جاتا ہے۔

(۱) بیمہ زندگی کے علاوہ تمام اقسام بیمہ میں معاہدہ کے وقت بیمہ کی رقم موجود اور مُتَعَیَّن (مقرر) نہیں ہوتی جب تک خطرہ واقع نہ ہو جائے اس کی تعیین نہیں ہوتی یہ غَرَر فی الوجود والتعیین ہے۔

(۲) بیمہ زندگی کے علاوہ باقی قسموں میں مدتِ بیمہ گزر جانے کے باوجود حادثہ پیش نہیں آتا تو بیمہ کی رقم سُوخُت (ضبط) ہو جاتی ہے اور کچھ حاصل نہیں ہوتا یہ غرر فی الحصول ہوا۔

(۳) زندگی کے بیمہ کے علاوہ اقسام میں اگرچہ رقم کی زیادہ سے زیادہ مقدار معین کر دی جاتی ہے لیکن نقصان ہونے پر نقصان کے تناسب سے معین کی جاتی ہے یہ غرر فی المقدار ہے جب کہ بیمہ کی قسط فوری طور پر ادا کر دی جاتی ہے۔

(۴) بیمہ کی تمام قسموں میں بیمہ کی قسط ادا کرنے کا وقت مقرر ہوتا ہے جب کہ بیمہ کی رقم ادا کرنے کا وقت متعین نہیں ہوتا کیونکہ موت اور حادثے کا وقت متعین طور پر ہمیں معلوم نہیں ہے۔ یہ غرر فی الاجل ہے۔

پھر یہ عقد، قِمار (جوا) بھی ہے جیسے کہ امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے فتاویٰ رضویہ، جلد ہفتم، صفحہ ۱۱۳ میں فرمایا ہے۔

اس میں ربا کا پہلو بھی موجود ہے کیونکہ مستامن نے جتنی رقم جمع کروائی ہے اس پر بیمہ کمپنی کے قواعد کے مطابق معین نفع بھی دیا جاتا ہے۔

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ العزیز سے سوال کیا گیا کہ کیا ہندوستان کے اہل حرب سے ربا لینا جائز ہے؟ خواہ وہ ہنود ہوں یا نصاریٰ۔ اس کے جواب میں انہوں نے فرمایا:

(۱) بحمدہ تعالیٰ ہندوستان دار الاسلام ہے۔

(۲) ربا کے بارے میں حق یہ ہے کہ مطلقاً ناجائز ہے کیونکہ نُصُوص (دلیلیں) تحریم مطلق ہے۔

(۳) باقی رہا دار الحرب میں زائد مال کا لینا وہ رِبا (سود) ہے ہی نہیں کیونکہ ربا مال معصوم میں ہوتا ہے اور دار الحرب والوں کا مال معصوم نہیں ہے۔

(۴) یہ حکم ہر حربی غیر مستامن کو شامل ہے اگرچہ وہ دار الاسلام میں ہو کیونکہ دار و مدار معصوم نہ ہونے پر ہے اور عدم عصمت سب کو شامل ہے۔ ہم پر ان کے ساتھ صرف عذر (دھوکہ) ناجائز ہے۔ اس کے بغیر ان کا مال جس عنوان سے بھی لے لیا جائے جائز ہے کیونکہ یہ مال مباح لیا گیا ہے۔ (شرط یہ ہے کہ یہ نیت نہ ہو کہ میں سود لے رہا ہوں ورنہ ناجائز ہوگا۔)

(۵) اس کے باوجود بطورِ تنبیہ فرماتے ہیں کہ جو شخص حربی غیر مستامن سے زائد مال اعلانیہ لے گا اگرچہ وہ صحیح نیت کے ساتھ لے گا لیکن عوام اس پر رِبا خوری (سود خوری) کا الزام لگائیں گے چونکہ تہمت کے مقامات سے بچنا چاہیے اس لئے دینی حیثیت رکھنے والے حضرات کو اس سے بچنا چاہیے۔[1] (ترجمہ عربی عبارت ملخصاً)
(فتاویٰ رضویہ، جلد ۷، صفحہ ۱۱۵)

اس کے باوجود دوسری جگہ بیمہ سے متعلق سوال کے جواب میں فرماتے ہیں، "یہ بالکل قِمار (جوا) ہے اور محض باطل کہ کسی عقد شرعی کے تحت داخل نہیں ایسی جگہ عقود فاسدہ بغیر عذر کے جو اجازت دی گئی وہ اس صورت سے مقید ہے کہ ہر طرح اپنا ہی نفع ہو اور یہ ایسی کمپنیوں میں کسی طرح مُتَوَقّع نہیں لہٰذا اجازت نہیں کما حقق المحقق علی الاطلاق فی فتح القدیر۔"[2] (فتاویٰ رضویہ، جلد ۷، صفحہ ۱۱۳)

---

[1] (فتاوی رضویہ، 368/17، رضا فاؤنڈیشن لاہور)
[2] (فتاوی رضویہ، 365/17، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

(۳) عقدِ بیمہ کو ضمانِ خطرِ طریق یا ضمانِ درک پر قیاس کرنے کا سوال تو اس وقت ہوگا جب بیمہ میں غررِ فاحش، قمار اور ربا وغیرہ مفاسد نہ پائے جائیں۔ ان کے ہوتے ہوئے قیاس اور الحاق کا کیا فائدہ ہوگا؟ علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے سوکرہ[3] کی جو صورت بیان کی ہے اس میں تو انہوں نے ہلاک ہونے والے مال کا معاوضہ لینے کو ناجائز قرار دیا ہے۔ فرماتے ہیں:

والذي يظهر لي: أنه لا يحل للتاجر أخذ بدل الهالك من ماله لأن هذا التزام ما لا يلزم [4] (ردالمحتار)

(۴) ٹیکسوں سے بچنا ایسا امر نہیں ہے کہ انسان حالتِ اضطرار (بے چینی کی حالت) کو پہنچ جائے اور اس کے لئے ناجائز امور کا ارتکاب جائز ہو جائے۔

(۵) قانونی اعتبار سے بیمہ کرانا لازمی ہو تو ضَرَر (نقصان) سے بچنے کے لئے بیمہ کرالیا جائے اور ساتھ ہی لکھ دیا جائے کہ میں یا میرا وارث اتنی ہی رقم لے گا جتنی کہ جمع کروائی ہوگی۔

(۶) (الف) جب یہ عقد ناجائز ہے تو اضافی رقم لینے والا گنہگار اسے چاہیے کہ زائد رقم غرباء میں تقسیم کردے۔

فسادات میں ناحق ضائع ہونے والے جان و مال کا معاوضہ قرار دے کر اضافی رقم کا وصول کرنا اور اپنے مَصارِف (اخراجات) میں خرچ کرنا ایک ناجائز کام کا دروازہ کھولنے کے مترادف ہے نیز نقصان کسی کا ہو اور معاوضہ کوئی دوسرا وصول کرے یہ بھی خلافِ معقُول (نامناسب) ہے۔

(ب) اس سوال کا جواب سوال نمبر ۲ کے جواب میں آچکا ہے۔ (فقہ اسلامی صفحہ ۲۳۷ تا صفحہ ۲۳۹) مضمون علامہ شرف صاحب لاہور۔

مشورہ فقیر اُویسی غفرلہ: چونکہ بیمہ وغیرہ کی ہر پالیسی خالی از خطرہ نہیں اسی لئے فقیر کے رسالہ کے مطابق زندگی بسر فرمائیں تو ان شاءاللہ تعالیٰ دارین (دنیا و آخرت کی فلاح و بہبود (بھلائی) نصیب ہوگی) اسی لئے اس رسالہ کا نام ہی "بیمہ کا نعم البدل" رکھا۔

وَمَا تَوْفِيْقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى حَبِيْبِهِ الْكَرِيْمِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنِ

مدینے کا بھکاری

الفقیر القادری ابوالصالح محمد فیض احمد اُویسی رضوی غفرلہ

---

[3] (ردالمحتار، کتاب الجهاد، باب المستامن، فصل فی استئمان الکافر، 170/4، دار الفكر بيروت، الطبعة: الثانية، 1412هـ 1992م)

[4]) علامہ شامی رحمہ اللہ کے زمانے میں یہ رواج ہوگیا تھا کہ بعض لوگ تاجروں کا سامان سمندر کے راستے سے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرتے تو اس سامان کا کرایہ لینے کے علاوہ کچھ مزید متعین رقم بھی لیتے تھے اور وہ اس زائد متعین رقم کے عوض اس بات کی ضمانت دیتے کہ اگر کسی تاجر کا مال ہلاک ہوگیا تو رقم لینے والا اس کی تلافی کرے گا، یہ زائد رقم جو لی جاتی تھی، اس کو ''سوکرہ'' کہتے ہیں۔ ''سوکرہ'' کا مطلب بیمہ اور ضمانت (Security) کے ہیں۔ یہ مذکورہ صورت بحری بیمہ (Marine insurance) کی تھی۔

تمہید

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمدللہ علیٰ ما اعطانا النعیم المقیم وفضلنا بانعام عمیم

والصلوٰۃ والسلام علیٰ حبیبہ الکریم وعلیٰ الہٖ افضل الصلوٰۃ والتسلیم

امابعد! ہمارے دور میں بیمہ پالیسی زوروں پر ہے۔ بیمہ کمپنی کے کارندوں (کام کرنے والوں) کے سبز باغ دکھانے پر عوام اہل اسلام ان کی دامِ تزْوِیر (مکرو فریب کے جال) میں پھنستے جارہے ہیں حالانکہ بینک ہو یا بیمہ، انشورنس ودیگر اکثر اس قسم کے کاروبار سود پر چل رہے ہیں بیمہ پالیسی ان سے زیادہ خطرناک ہے اس لئے کہ بیمہ دار کو دھوکہ یا فریب سے پھنسانے میں اس کے کارندے کوئی کسر نہیں چھوڑتے۔ بیمہ دار کو کاروبار کے منافع کئی گنا سنائے جاتے ہیں اور جھوٹے سچے فتاویٰ بیمہ دار کے سامنے رکھ دیئے جاتے ہیں اور سو فیصد جھوٹ سے ثابت کیا جاتا ہے کہ بیمہ کے منافع سود نہیں بلکہ تجارتی منافع کا حصہ ہے۔

فقیر نے اس پر ایک ضخیم کتاب "بیمہ زندگی مطابق فقہ حنفی" لکھی ہے۔ اس میں بیمہ کمپنی کے تمام حیلوں بہانوں کا پردہ چاک کیا ہے۔ اس رسالہ میں صرف اتنا عرض ہے کہ خداترس مسلمان بیمہ وبینک کے سودی منافع سے احتراز کرے ورنہ خود کو ابھی سے جہنم کا ایندھن سمجھے مرنے کے بعد بے حساب و کتاب سیدھے جہنم میں۔ ہاں بیمہ کمپنی کے سبز باغ سو فیصد انسان کی عین مراد مثلاً:

(۱) سرمایۂ محفوظ

(۲) زندگی میں اور مرنے کے بعد جائیداد کئی گنا زیادہ (لیکن کھائیں گے ورثاء اور خود جہنم میں۔ سچ ہے کمائے کون کھائے کون۔)

(۳) حادثات کی صورت میں مالی امداد (اس خطرہ کے پیش نظر) لوگ دھڑا دھڑ بیمہ کرارہے ہیں۔ بلکہ اب تو زندگی کے بیمہ کے علاوہ مکانات، موٹریں، کاریں ودیگر اشیاء کے علاوہ بازو، سر، ٹانگیں اور شادی، بیاہ، تعلیم وغیرہ وغیرہ غرضیکہ بیمہ میں ہر طرح کے مزے ہی مزے لیکن مرتے ہی جہنم کے انگارے۔ آج تو یہ سودا کیمیا (نہایت مفید، جوہر) سے کم نہیں لیکن مرنے کے بعد بہت بڑا گھاٹا۔ یہ وہ سوچے گا جس مسلمان کا عقیدہ ہے کالی قبر میں جہنم کی ہوا کھائے گی یا بہشت کی بہار۔ اختیار بدست مختار۔

(۴) ورثاء کو مالی امداد یہ ترِنوالہ (عمدہ غذائیں) تو ہر انسان کی عین مراد ہے کہ مرنے کے نامعلوم بیوی، بچوں کا کیا بنے گا۔ بیمہ کمپنی نے اسی کی کمائی اپنے قبضہ میں لے کر ذمہ داری لی کہ بیوی بچے جیتے جی بہشت میں لیکن آنصاحب دوزخ میں۔ اب مسلمان کی مرضی ہے جو چاہے عمل کرے۔ فقیر نے بیمہ پالیسی کی تمام شِقوں کو اس رسالہ میں اسلامی طریقہ پر ڈھالا ہے اس پر عمل ہو جائے تو بیمہ سے انکار نہیں لیکن عمل نہ ہماری بزمِ خیال میں نہ ملکِ آئین ساز میں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

آغاز بخیر

تو برائے وصل کردن آمدی نے برائے فصل کردن آمدی [5]

جب سے انگریز نے علماءِ کرام سے شکست کھائی تو اس نے بھی قسم کھائی کہ علماءِ کرام کی عزت و آبرو خاک میں ملا کر رہے گا۔ چنانچہ انگریز کے دور سے لے کر آج تک بنظرِ غائر (گہری نظر سے) دیکھ لیں کہ اس نے علماءِ کرام کی بے عزتی میں کون سی کسر چھوڑی اور تاحال اگرچہ حکومتیں اسلام کی مدعی ہیں لیکن علماءِ کرام سے سلوک حقیر آمیز ہے۔ ان کے معاشرے میں زَبُوں سے زَبُوں (بد سے بد) تر اگر کوئی ہے تو وہ عالم دین ہے اگر کوئی عہدہ بخشیں گے تو اُسے جوان کے ڈھَب (ڈھنگ) کا ہے اور وہ بھی اپنے جیسے داڑھی مونڈے (دین سے بے بہرہ) کے نیچے اور ماتحت رکھ کر علماء کو بدنام کرنے کے لئے ہر اعلیٰ سے اعلیٰ شعبہ بلکہ ہر شعبہ میں مشہور کریں گے کہ علماء اسے حرام کہتے ہیں اور علماءِ کرام کے موقف اور ان کی اصل غرض ظاہر ہونے نہیں دیتے بلکہ فوائد و منافع بیان کر کے بار بار رٹ لگائیں گے کہ دیکھو کیسی اچھی اور اعلیٰ پالیسی ہے لیکن علماء حرام کہتے ہیں۔ (لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ)

مثلاً اسی بیمہ کا حال دیکھئے کہ اس کے فوائد و منافع لکھ کر چند اپنے ڈھب کے مولویوں اور لیڈروں کی تائید کے بعد کہیں گے علماءِ کرام حرام کہتے ہیں حالانکہ علماءِ کرام بیمہ کو بہتر سے بہتر طریقہ سمجھتے ہیں۔ حرام اس کے طریقہ کار کو کہتے ہیں بلکہ بیمہ کی ایجاد ہی مسلمان علماءِ کرام نے کی ہے۔ یاد رہے کہ قرآن و حدیث اور فقہ اسلامی میں ہمارے زمانہ کی بیشتر ضروریات کا حل موجود ہے لیکن جدید تَمَدُّن (تہذیب) اور صَنْعَتی اِنْقلاب [6] نے اس زمانہ میں نِت نئے (ہر روز نئے) مسائل پیدا کر دیئے ہیں جو حل طلب ہیں اور علماءِ اُمت کو دعوتِ فکر دے رہے ہیں کہ وہ فقہ اسلامی کی روشنی میں ان کا حل پیش کریں۔

اصل میں تو یہ کام اسلامی حکومتوں کا ہے کہ وہ اپنے وسیع تر ذرائع و وسائل استعمال کر کے عالم اسلام کے منتخب اور مستند علماء کو جمع کریں اور ان کے ساتھ نئے معاملات و مسائل جاننے والے ماہرین موجود ہوں پھر یہ سب حضرات قرآنِ حکیم، حدیثِ نبوی اور فقہ اسلامی کی روشنی میں ان جدید مسائل کے صحیح حل اور جوابات دیں۔ اسی طرح منصوص احکام کی عِلَّتوں (پریشانیوں) کو ٹھیک ٹھیک سمجھ کر ان تمام جدید معاملات میں ان کو جاری کریں جن میں وہ علتیں فی الواقع پائی جاتی ہیں۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ پہلے تو کوئی مسلم حکومت اسلامی حل کے لئے تیار نہیں۔ اگر کوئی ایک آدھ ملک کسی ایک شعبہ کو ہاتھ لگاتا ہے تو پھر سَر بَراہی (انتظام) ایسے نااہل لوگوں کے سپرد کرتا ہے جو اُلٹا ملک و ملت کے لئے رسوائی و بدنامی کا موجب بنتا ہے جیسے ہمارے ملک میں بارہا ایسے ہوا مثلاً ڈاکٹر فضل الرحمن کی سربراہی کا حال دیکھ لیجئے حالانکہ حکومت اس شعبہ میں کروڑوں روپے خرچ کرتی ہے لیکن معاملہ تقسیم ہوتا ہے۔ اگر وہ سارا سرمایہ نہ سہی اس کا عُشرِ عَشِیر (تھوڑا ساحصہ) بھی علماءِ حق پر خرچ کریں تو اعلیٰ سے اعلیٰ اسلامی طریقہ سے حل پیدا ہو سکتا ہے۔ ہم بیمہ کے جواز کے متعلق مختصر ساخاکہ پیش کرتے ہیں۔ [7]

---

[5]) تو جوڑ (محبت) پیدا کرنے کے لئے آیا ہے توڑ (نفرت) پیدا کرنے کے لیے نہیں آیا۔

[6]) (وہ تبدیلی اور ترقی جو انیسویں صدی کے آغاز میں مشینوں کی ایجاد و استعمال سے صنعت و حرفت میں رونما ہوئی۔)

[7]) (الهداية في شرح بداية المبتدي، كتاب المضاربة، تعريفها وشروطها، 200/3، دار احياء التراث العربي بيروت-لبنان)(اللباب في شرح الكتاب، كتاب المعاقل، 178/3، المكتبة العلمية، بيروت لبنان)

بیمہ کے جواز کا حل: اُصولِ اسلام کے ماتحت مروجہ بیمہ کے ایسے بے خطر اور بے ضرر بدل موجود ہیں کہ اُن کو بروئے کار لایا جائے تو نہ صرف مروجہ بیمہ کا اچھا بدل بن سکیں بلکہ قوم کے بے سہارا افراد کو اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کا بہترین ذریعہ بن سکتے ہیں مگر یہ سب کچھ اسی وقت ہو سکتا ہے جب قوم میں اسلامی حَمِیَّت (محبت) اور قومی غیرت کا شعور پیدا ہو، اپنی زندگی اسلامی سانچہ میں ڈھالنے کے لئے تھوڑی بہت محنت اور قربانی کے لئے تیار ہوں اور اگر دوسروں کی نقالی ہی کو سرمایۂ سعادت و ترقی سمجھ کر اس کے حصول میں حلال و حرام کے امتیاز اور فکرِ آخرت سے بے نیازی کو اپنا شعور بنالیا جائے تو ظاہر ہے کہ یورپ کے شاطر ہمارے اسلامی نظامِ زندگی کی حفاظت کی غرض سے خود کوئی تبدیلی کرنے سے رہے۔

یہاں ایک مشکل یہ بھی ہے کہ معاملہ انفرادی نہیں اجتماعی ہے اگر چند افراد اس مقصد کے لئے تیار بھی ہوں تو یہ کام نہیں چل سکتا۔ جب تک کوئی مُعْتَدبہ جماعت (کثیر تعداد) اس کام کو مقصدِ زندگی بناکر آگے نہ بڑھے یا کوئی اسلامی حکومت نیک نیتی سے اسے اپنے ہاتھ میں نہ لے۔

بیمہ کے لئے اسلامی قواعد وضوابط: (۱) بیمہ پالیسی کی حاصل شدہ رقوم کو مُضَارَبَت[8] کے شرعی اُصول کے مطابق تجارت پر لگایا جائے معینہ سود کے بجائے تجارتی کمپنیوں کی طرح تجارتی نفع تقسیم کیا جائے نقصان سے بچنے کے لئے لمیٹڈ کمپنیوں کی طرح اس کی نگرانی پوری کی جائے اور پھر اللہ تعالیٰ پر توکل کیا جائے۔ سود خوری کی خود غرضانہ اور غیر منصفانہ عادت کو گناہِ عظیم سمجھا جائے کہ دوسرے شریک کا چاہے سارا سرمایہ ضائع ہو جائے ہمیں اپنا راُس المال (پونجی) مع نفع کے اُس سے وصول کرنا ضروری۔ یہی وہ منحوس چیز ہے جس کے سبب نصِ قرآنی کے مطابق سود کا مال اگرچہ گنتی میں بڑھتا نظر آئے مگر معاشی فوائد کے اعتبار سے وہ گھٹ جاتا ہے اور انجام کار تباہی لاتا ہے اور یہ گنتی کا فائدہ بھی پوری قوم سے سمٹ کر چند افراد یا خاندانوں میں محصور ہو جاتا ہے ان کے علاوہ پوری قوم مفلس سے مفلس تر ہوتی چلی جاتی ہے۔

(۲) بیمہ کے کاروبار کے امدادِ باہمی کا کاروبار بنانے کے لئے بیمہ پالیسی خریدنے اپنی رضامندی سے اس معاہدہ کے پابند ہو کہ اس کاروبار کے منافع کا ایک معتدبہ حصہ نصف یا تہائی چوتھائی ایک ریزرو فنڈ (Reserve Fund) کی صورت میں محفوظ رکھ کر وقف کریں گے جو حوادث میں مبتلا ہونے والے افراد کی امداد پر خاص اُصول و قواعد کے ماتحت خرچ کیا جائے گا۔[9]

(۳) بصورتِ حوادِث (حادثے کی صورت میں) یہ امداد صرف اُن حضرات کے ساتھ مخصوص ہو گی جو اس معاہدہ کے پابند اور اس کمپنی کے حصہ دار ہیں۔ اَوقاف[10] میں ایسی تخصیصات میں کوئی مضائقہ نہیں وقف علی الاولاد اس کی نظیر موجود ہے۔

---

[8] (مُضَارَبَت فقہ اسلامی کا اصطلاحی لفظ ہے اس کا شرعی معنی یہ ہے کہ ایک کا مال دوسرے کی کمائی نفع و نقصان میں حصہ داری کے لحاظ سے شریک ہوں گے مال دیتے ہی منافع متعین کرنا مثلاً نصف و نصف وغیرہ تو جائز ہے لیکن رقم متعین کرنا مثلاً ایک ہزار پر یکصد روپیہ سالانہ وغیرہ۔ پہلی قسم شرعی مضاربت ہے دوسری قسم بیمہ کمپنی اور بینک وغیرہ کی اصطلاح ہے یہی سود ہے اور حرام ہے ہم پہلی قسم چاہتے ہیں دشمنانِ اسلام قسم دوم)

[9] (سابق دور کی تاریخ پڑھیں گے تو آپ کو اس مضاربت پر عمل کرنے والے ہزاروں مفلس کنگالی کہلوانے والے بعد کو بڑے امیر کبیر مشہور ہوئے۔)

[10] (وہ جائیدادیں جو قانون شرح یا حکومت کے مطابق کسی کارِ خیر یا اولاد کے لیے وقف یا مختص کر کے بیع و رہن وغیرہ کے تمام حقوق سلب کر لیے جائیں۔) (شریعت نے اوقاف کا باب اسی لئے کھلوایا جس پر سلطان نورالدین زنگی، سلطان ایوبی و دیگر شاہانِ اسلام نے عمل کر کے نام بھی پیدا کیا اور جنت کے بھی حقدار ہوئے۔ افسوس ہے کہ ہمارے ملک میں صرف خانقاہوں و مساجد کے اوقاف کے اربوں روپے جہنم خانے میں جا رہے ہیں اگر صرف اسی شعبہ کی بھی دیانت داری و ایمان داری سے اصلاح کی جائے تو پھر ملک کا حال دیکھئے)۔

(۴)اصل رقم مع تجارتی نفع کے ہر فرد کو پوری پوری ملے گی اور وہ اس کی ملک اور حقیقت سمجھی جائے گی۔ امدادِ باہمی کا ریزرو فنڈ وقف ہوگا جس کا فائدہ وقوع حادثہ کی صورت میں اس وقف کرنے والے کو بھی پہنچے گا اور اپنے وقف سے خود کوئی فائدہ اُٹھانا اُصولِ وقف کے منافی نہیں جیسے کوئی رِفاہِ عام(عام لوگوں کی بھلائی) کے لئے ہسپتال وقف کرے پھر خود اس کی اور اس کی اقرباء کی قبریں بھی اس میں بنائی جائیں۔

(۵)حوادث پر امداد کے لئے مناسب قوانین بنائے جائیں جو صورتیں عام طور پر حوادث کہی اور سمجھی جاتی ہیں اُن میں پسماندگان کی امداد کے لئے معتدبہ رقم مقرر کی جائے اور جو صورتیں عادۃً حوادث میں داخل نہیں سمجھی جاتی جیسے کسی بیماری کے ذریعہ موت واقع ہو جانا اس کے لئے یہ کیا جاسکتا ہے کہ متوسط تندرستی والے افراد کے لئے ساٹھ سال کی عمر طبعی قرار دے کر اس سے پہلے موت واقع ہو جانے کی صورت میں بھی کچھ مختصر امداد دی جائے متوسط تندرستی کو جانچنے کے لئے جو طریقہ ڈاکٹری معائنہ کا بیمہ کمپنی میں جاری ہے وہ استعمال کیا جاسکتا ہے۔ بیمار یا ضعیف آدمی کے لئے اسی پیمانہ سے عمر طبعی کا ایک انداز مقرر کیا جاسکتا ہے۔

(۶)چند قسطیں ادا کرنے کے بعد سلسلہ بند کر دینے کی صورت میں دی ہوئی رقم کو ضبط کر لینا ظلمِ صریح اور حرام ہے اس سے اجتناب کیا جائے۔ ہاں کمپنی کو ایسے غَیر مُحتاط(بے پروا) لوگوں کے ضرر سے بچانے کے لئے معاہدہ کی ایک شرط یہ رکھی جاسکتی ہے کہ کوئی شخص حصہ دار بننے کے بعد اپنا حصہ واپس لینا چاہے یعنی شرکت کو ختم کرنا چاہے تو پانچ یا سات یا دس سال سے پہلے رقم واپس نہ کی جائے گی اور ایسے شخص کے لئے تجارتی نفع کی شرح بھی بہت کم رکھی جاسکتی ہے بلکہ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ کل مَعْہُودَہ رقم(مقررہ رقم) کے نصف ہونے تک کوئی نفع نہیں دیا جائے گا۔ نصف کے بعد ایک خاص شرح نفع کی متعین کر دی جائے مثلاً روپیہ میں ایک آنہ دو آنے۔ یہ سب امور منتظمہ کمیٹی کے صَواب دید سے طے ہو سکتے ہیں ان کا اثر معاملہ کے جواز و عدم جواز پر نہیں پڑتا۔

نظامِ زکوۃ وعشر وغیرہ: عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے طریق پر یہ نظام دیانت داری سے چلایا جائے تو تھوڑے عرصہ میں وہ وقت دور نہ ہوگا کہ زکوٰۃ والے نہ ملیں گے۔ دورِ ضیاء[11] میں معمولی طور پر اور وہ بھی غلط طریقہ سے اس نظام کو چلایا گیا اگرچہ حرام خوروں نے تجوریاں پُر کیں لیکن پھر بھی غرباء ومساکین بالخصوص مدارسِ عربیہ کو فائدہ ہوا اگرچہ یہاں بھی غلط کاری زوروں پر رہی اور ہے۔

خیر خواہانہ مشورہ: بینکنگ اور بیمہ کا موجودہ نظام بھی تو کوئی ایک سال میں قابل عمل نہیں ہوا ایک صدی سے زیادہ اس میں غور و فکر اور تجربات کی بناء پر ردوبدل کرنے کے بعد اس شکل میں آیا ہے جس پر اطمینان جاسکتا ہے۔ اگر صحیح جذبہ کے ساتھ اس کا تجربہ کیا جائے اور تجربات کے ساتھ شرعی قواعد کے ماتحت اصلاحات کا سلسلہ جاری رہے تو چند سال میں بلاسود کی بنکاری اور بیمہ وغیرہ شرعی اُصول پر پورے استحکام کے ساتھ بروئے کار آسکتا ہے۔ نظامِ مضاربت کے تحت بنکاری کا ایک لازمی اثر یہ بھی ہوگا کہ ملک کی دولت سمٹ کر چند افراد یا خاندانوں میں محصور ہو کر نہیں رہ جائے گی بلکہ تجارتی نفع کی شرح سے پوری قوم کو معتدبہ فائدہ حاصل ہوگا۔

مجرب نسخہ: ریاست حیدر آباد میں ایک مرتبہ اس کا عملی تجربہ بھی کیا جاچکا ہے اور اس کو خاصی کامیابی ہوئی تھی۔

---

[11] (مارشل لاء لانے والے پاکستان کے تیسرے فوجی صاحب)

اسلامی بینک: کامیابی کام کا نام ہے نہ کہ صرف باتوں کا غذی کاروائی کوئی ادارہ یا خود حکومت ہمت کر کے غیر سودی بینک جاری کرے۔ جن کی اساس(بنیاد) شرکت اور مضاربت پر قائم کی جائے اس طرح سرمایہ کی حفاظت بھی ہوگی اور مال کا بھی جائز طریقوں سے اضافہ ہوتا رہے گا۔ اسلام کے معاشی نظام کا جس شخص نے بغور مطالعہ کیا ہوگا وہ ضرور اس نتیجے پر پہنچے گا کہ اسلام "ارتکازِ دولت" کا حامی نہیں ہے کہ روپیہ ایک جگہ جمع کر دیا جائے اور بدوں تجارت کی اس سے منافع حاصل کیا جائے۔ روپیہ سے روپیہ حاصل کرنا اسلام کے نقطۂ نظر سے صحیح نہیں ہے سرمایہ میں جو لوگ اضافہ چاہتے ہیں اُن کے لئے تجارت کی شاہراہ کھلی ہوئی ہے۔ تجارت سے سرمایہ دار کا بھی فائدہ کہ سرمایہ میں اضافہ ہوتا رہے گا اور زکوٰۃ دولت کو ختم نہیں کرے گی اور ملک و قوم کا بھی فائدہ ہے کہ تجارت کو فروغ ہوگا سرمایہ تجوریوں سے نکل کر منڈیوں اور بازاروں میں پہنچے گا۔ صنعت اور انڈسٹری کی کثرت ہوگی، مزدوروں اور ملازمت پیشہ لوگوں کو کام ملے گا۔ واضح رہے کہ اسلام اپنے معاشی نظام کی بنیاد زکوٰۃ پر رکھتا ہے۔ بر خلافِ سرمایہ دارانہ نظام کے کہ وہاں سود ریڑھ کی ہڈی کا حکم رکھتا ہے۔

فیصلہ الٰھی: قرآنِ کریم نے اسلام کے معاشی نظام کو مختصر سے مختصر لفظوں میں اس طرح سمجھایا ہے،

كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ ۭ (پارہ ۲۸، سورۃ الحشر، آیت ۷)

ترجمہ: تاکہ نہ آئے لینے دینے میں صرف دولت مندوں کے تم میں سے۔

فائدہ: اس آیتِ کریمہ کا حاصل یہ ہے کہ یہ مصارف اس سے پہلے مصارف بتلائے گئے ہیں۔ اس لئے بتلائے ہیں کہ ہمیشہ یتیموں، محتاجوں، بے کسوں اور عام مسلمانوں کی خبر گیری ہوتی رہے اور عام اسلامی ضروریات سرانجام پا سکیں۔ یہ اموال محض چند دولت مندوں کے اُلٹ پھیر میں پڑ کر ان کی مخصوص جاگیر بن کر نہ رہ جائیں جس سے صرف سرمایہ دار اپنی تجوریوں کو بھرتے رہیں اور غریب فاقوں سے مریں۔

غیر سودی بینک کا اجراء کوئی محض تخیلی چیز نہیں ہے بلکہ ایک حقیقت ہے جس کو بڑی آسانی سے بروئے کار لایا جا سکتا ہے۔ یورپ کی ذہنی غلامی نے دماغوں پر یہ عقیدہ مسلط کر دیا ہے کہ سود کے بغیر معاشی نظام چل ہی نہیں سکتا۔ ان حضرات کو معلوم ہونا چاہیے کہ آج بھی کچھ ممالک ترقی کی راہ پر گامزن ہیں بلکہ ان کی معاشی حالت سودی ملکوں سے زیادہ بہتر ہے۔ اگر کچھ اسلامی حکومتیں ہمت کر کے سود کے اس نظام سے نجات حاصل کر لیں تو بین الاقوامی طور پر بھی اس کا اثر ہو۔ بینک آف انگلینڈ قسم کے بین الاقوامی بینک ان ملکوں کو غیر سودی کاروبار کی سہولتیں مہیا کریں اور لوگوں کا یہ عذر کہ ہم سود کے بغیر بین الممالک تجارت کس طرح کر سکتے ہیں ختم ہو جائے۔ (بیمۂ زندگی، کراچی)

خیراتی ادارے: اس کی اصل بنیاد تو وہی ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا طریقہ کریمہ اصحابِ صفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے لئے فرمایا خود ان کی نگرانی فرماتے اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو ان کی خدمت کی ترغیب و تحرِیص(ترغیب) دلاتے آپ کے اس طریقہ کار سے سینکڑوں نادار اور مساکین دور دور سے آکر پرورش پاتے پھر یہی وہ ہستیاں ہیں جنہوں نے جہانبانی و جہاں رانی کو فروغ دیا۔

ایسے اداروں کو چلانے کے لئے ایثار و جذبہ قربانی کے افراد تیار کئے جائیں اور عوام میں بذریعہ مواعظ و پند اور رسائل و پمفلٹ چھاپ کر ترغیب و تحریص دلائی جائے۔

الحمدللہ آج بھی جذبۂ صدیقی سے سرشار افراد کی کمی نہیں جو اپنا تن من دھن راہِ خدا میں لٹانے کو تیار ہیں جیسے بیمہ اور بینک کے لئے پرچار کیا جاتا ہے ان کی ترغیب و تحریص میں پانی کی طرح پیسہ بہایا جاتا ہے اگر ایسے اداروں کے لئے اس کا عشر و عشیر بھی خرچ ہو تو بھی بڑا کام ہو سکتا ہے۔

انفاق فی سبیل اللّٰہ: یاد رہے کہ جس قرآنِ حکیم نے بار بار نماز کی تاکید فرمائی ہے اسی طرح تکرار واصرار سے زکوٰۃ، صدقات اور خیرات کے متعلق وارد ہے۔ کیا اس کا مطلب یہ نہیں کہ جس طرح نماز روزمرہ کی عبادت ہے اسی طرح اللہ کی راہ میں کچھ نہ کچھ روزانہ ہی دیتے رہنا چاہیے؟ حسبِ توفیق کوئی روپیہ دے یا کوئی پیسہ ہی دے یا کم و بیش دینا ضرور چاہیے۔

راہِ خدا میں خرچ کرنے کی ترغیب: اسلام کو اپنے حقوق میں نماز تمام عبادات سے محبوب تر ہے تو حقوق العباد خدمتِ خلق تمام عبادات سے بڑھ کر ہے چنانچہ قرآنِ مجید کا غور سے مطالعہ کرنے والوں کو دعوتِ غور و فکر ہے کہ قرآنِ مجید میں اگر صلوٰۃ کا ذکر چند مُشْتَقات سمیت ستر سے کچھ زیادہ مرتبہ آیا ہے۔ اس کے مقابلے میں زکوٰۃ، صدقات، انفاق اور ایتائے مال (مال عطا کرنے) کا حکم اور ترغیب سو سے زیادہ بار پائی جاتی ہے۔ تفصیل ملاحظہ ہو:

۲۷ مرتبہ	أَنْفِقُوْ، أَنْفَقَ اور اَنْفَقْتُمْ کے تحت یعنی خرچ کرنا۔
۲۸ مرتبہ	يُنفِقُوا، يُنْفِقُ اور يُنْفِقُوْنَ۔
۱۱ مرتبہ	تُنْفِقُوْا، تُنفِقُونَ وغیرہ۔
۱ مرتبہ	مُنْفِقِيْنَ۔
۱۴ مرتبہ	صَدَقَةً یا صَّدَقٰتِ۔
۲ مرتبہ	مُتَصَدِّقِيْنَ۔
۲۴ مرتبہ	زَّكٰوةَ۔
۱۰۸	مِيْزَانُ۔

اس کے علاوہ ۸۷ سے زیادہ مرتبہ "مال" اور "اموال" کا لفظ مستعمل ہوا ہے ان میں سے صرف چند مقامِ مدح کے طور پر ہیں اسی رنگ میں کہ اللہ کی راہ میں اللہ کے حکم کے مطابق خرچ کیا جائے باقی تمام جگہوں پر مذمت نکلتی ہے اس صورت میں کہ اُسے جمع کیا جائے یا اس سے محبت کی جائے یا اس کے حصول اور خرچ کے ذرائع ناروا ہوں۔

اس سے یہ بات پوری طرح نکھر کر سامنے آجاتی ہے کہ مالیات کے متعلق قرآن کیا چاہتا ہے اگر ان تمام مقامات کو شرح و بسط سے لکھا جائے تو پوری کتاب بن جائے اور ایک سچے مسلمان کے لئے حبِ مال کی کوئی اجازت و گنجائش نہیں نکلے گی کہ وہ اُسے کاملاً (مکمل طور پر) اللہ کی راہ میں لگا دے۔

مسلمان آج بھی بے اندازہ مال یہ سمجھ کر خرچ کرتے ہیں کہ وہ اللہ کی راہ میں دے رہے ہیں لیکن اس سے قرآنِ حکیم کے مطلوبہ وموعودہ نتائج بر آمد نہیں ہوتے۔اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ ہمارے حصول مال کے ذرائع اور خرچ کرنے کے طریقے بہت کچھ غیر قرآنی اور غیر حکیمانہ ہو گئے ہیں۔

قرآنِ حکیم کسبِ حلال پر بے حد زور دیتا ہے پھر اس کو خرچ کرنے کے لئے اجتماعی اور تنظیمی احکام صادر فرماتا ہے۔ناجائز ذرائع سے کمائی کرنا اور پھر تنہا تنہا اپنی من مانی رسموں پر خرچ کرنا ہر گز ہر گز رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے اسوۂ حسنہ کے مطابق نہیں ہو سکتا۔ آج بھی جہاں تنظیم اور اِجتماعیت کے اُصول پر کہیں کہیں تعمیری کام ہو رہا ہے اس سے قوم کو فوائد حاصل ہو رہے ہیں لیکن اس کی مقدار اتنی کم ہے کہ اس پر اظہارِ اطمینان نہیں کیا جا سکتا۔

قرآنِ حکیم دینِ فطرت کا ترجمان ہے اس میں عالمگیر اور ابدی صداقتیں مندرج ہیں۔زید و عمر بکر جو بھی اس کے کسی حکم پر عمل کرے گا بشرطِ ایمان اس کے فوائد دنیا و آخرت میں حاصل کرے گا اور عدم ایمان کی صورت میں اس دنیا میں بہرہ مند ہو گا۔کافر صاف ستھرا اور خورد و نوش میں مُحْتاط(ہوشیار) ہو گا تو صحت سے مطمئن رہے گا اور مومن یہی عمل کر کے صحت کے ساتھ عبادت کی برکات بھی حاصل کرے گا۔ذیل میں ہم ایک غیر مسلم ادارے کی رفاہی خدمات کا ذکر کرتے ہیں جس سے مذکورہ بالا حقائق کی تصدیق سامنے آجاتی ہے۔

آکسفام: تقریباً ۲۳ سال قبل آکسفورڈ انگلستان کے چند شہریوں نے یونان کے قحط زدہ بچوں کی امداد کے لئے فنڈ جمع کرنے والی کمیٹی کی حیثیت سے "آکسفام" نام کا ایک ادارہ قائم کیا۔ ٹھیک اسی طرح جیسے بنگال کے قحط یتیموں کی امداد کے لئے فیض الاسلام کا قیام عمل میں آیا۔

آکسفام نے ۶۴۔۱۹۶۳ء کہاں تک ترقی کی؟اس کی رپورٹ سے ظاہر ہے کہ ۲۹ لاکھ پونڈ کی رقم جمع کی جس میں سے (مذہب، رنگ، ملت اور سیاست سے بے نیاز ہو کر) نوے ملکوں کے ۵۸۰ منصوبوں کے لئے تقریباً ۴۴ لاکھ پونڈ کی رقم دی گئی ہے۔

قدرتی آفات اور ناگہانی تباہیوں میں فوری عمل کی ضرورت ہوتی ہے مثلاً مشرقی پاکستان کے گذشتہ طوفان سے متاثر ہونے والے خاندانوں کی آبادکاری کے لئے دو لاکھ اِکاون ہزار تین سو ساٹھ روپے ارسال کئے۔اس سے پہلے کانگو کے قحط میں تین لاکھ پونڈ کی رقم ارسال کی۔ ستمبر ۱۹۶۲ ءمیں ایرانی زلزلے کے تباہ شدہ لوگوں کے لئے بیس ہزار پونڈ فوری امدادی کاموں کے لئے بھیجے گئے اس کے علاوہ تیار کردہ مکانات بھی روانہ کئے گئے،یونان کے زلزلے میں چار ہزار پونڈ ابتدائی امداد کے طور پر بھیجے گئے۔

بعض ممالک جو اپنے ترقیاتی منصوبوں کو عملی شکل دینے میں مالی وجوہ سے قاصر رہتے ہیں آکسفام (Oxfam) ان کی دیرپا (مضبوط) مدد کرتا ہے مثلاً ہانگ کانگ، کوریا، عدن (Aden) (یمن کا ایک شہر) اور لیبیا میں منصوبوں کی امداد اور جنوبی افریقہ با سوٹولینڈ (Basutoland)، سوازی لینڈ (Swaziland)، بیچوانا لینڈ (Bechuanaland)، ہندوستان، پاکستان اور جنوبی امریکہ میں مختلف تفصیلی منصوبوں کی امداد کرنا بھی شامل ہے۔

جنوبی کوریا کے ساحل کے قریب جزائر ہک سانڈو (Heuksando) کے باشندوں کا ذریعہ معاش اور غذا کا انحصار ماہی گیری (مچھلی پکڑنے کے کام) پر ہے۔ آکسفام نے ان کے اس مقصد کے تحت ایک ادارہ کو ڈیزل سے چلنے والی چھ چھ ٹن کی ماہی گیری کی دو کشتیاں دی ہیں۔ ہانگ کانگ میں آکسفام مچھلی کی تعداد کو بڑھانے میں مدد دے رہا ہے۔

الجیریا میں آکسفام کی مالی امداد سے ایک نخلستان کو تین سو افراد کی رہائشی بستی میں تبدیل کیا جارہا ہے۔ سسلی میں چھوٹے تجرباتی منصوبوں کو زیرِ عمل لانے میں مدد دی جارہی ہے۔ یونان میں دوسرے منصوبوں کے علاوہ آکسفام کی مالی امداد سے شمالی ضلع کے کوہستانی دیہاتوں میں تاریخ میں پہلی بار تازہ پانی فراہم کیا جارہا ہے۔

ایک اور مالی امداد کے تحت ایشیا، افریقہ اور جنوبی امریکہ کے ۲۸ سے زائد ترقی پذیر ممالک کو بیج اور کیمیاوی کھاد مہیا کی جارہی ہے۔ اس اسکیم کی ایک خصوصیت نہایت قابلِ قدر اور قابلِ تقلید یہ ہے کہ کاشت کاروں کو اشیاء کی قیمت کا ایک حصہ ایک متحرک فنڈ میں دینا پڑتا ہے جس سے آپ اپنی مدد کے اصول کی اہمیت کا اظہار ہوتا ہے اور جس کے تحت اس مالی امداد سے بہت زیادہ اشخاص فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔

یعنی یہ امداد ایسی خیرات نہیں جس سے اپاہجوں، نکموں اور مفت خوروں کی تعداد میں اضافہ ہو بلکہ اس سے کارکنوں کی خفتہ صلاحیتوں کو بیدار کر کے ایسا کام لیا جاتا ہے کہ آگے چل کر وہ خود دوسروں کے کام آسکیں اور اس طرح فعالِ زندگی کی لہر کو آگے بڑھاتے جائیں یہاں تک کہ آخر کار کوئی محتاج نظر نہ آئے۔

کس نہ گردد درجہاں محتاجِ کس نکتۂ شرع مبیں این است و بس

اسلام کا نظامِ زکوٰۃ و صدقات اس کی عملی شکل پیش کر چکا ہے۔ جب کہ امیر المومنین عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں کوئی شخص زکوٰۃ لینے والا نہیں ملتا تھا۔ آج ہم اپنے محاصل و مصارف کو اسلامی سانچے میں ڈھال لیں تو تمام انفرادی و اجتماعی ضرورتیں پوری ہو سکتی ہیں اور ہمیں دوسری قوموں کی دست نگری اور قرضوں سے نجات مل سکتی ہے۔

جب بھوک سے نجات کی مہم عالمی پیمانے پر چلائی گئی تو آکسفام نے بیچوانا لینڈ، باسوٹو لینڈ اور سوازی لینڈ کے افریقی منصوبوں میں امدادی حصہ لیا یعنی غذائی پیداوار کو بڑھانا، نجی آمدنی اور روزی کمانے کی قومی قوت کو ترقی دینا اس کا مقصود تھا۔

ذرائع آمدنی: آکسفام کو زرِ نقد کہاں سے ملتا ہے؟ اس کی امداد کا زیادہ تر حصہ اس کے ۳۷ ہزار مستقل چندہ دینے والوں سے حاصل ہوتا ہے جن کے ماہانہ چندے رضاکاروں کی ایک فوج کے ذریعے جمع کئے جاتے ہیں یعنی یہ فوج تنخواہ دار نہیں ہے اپنی خوشی سے اس کام کو سنبھالے ہوئے ہے۔ ان کے علاوہ چار لاکھ مزید چندہ دینے والے بھی ہیں۔ اس کے طلباء و طالبات تقریباً ایک لاکھ چالیس ہزار پونڈ چندہ جمع کرتے ہیں اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آکسفام سے ان لوگوں کی دلچسپی محض زبانی نہیں ہے۔

برطانیہ میں اس قسم کے مقاصد کے لئے کام کرنے والے اداروں میں سے آکسفام محض ادارہ ہے اس کے علاوہ اور بھی بہت سے خادم خلق ادارے خدمتِ خلق کا کام کر رہے ہیں۔ لیکن اس کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ سیاست، مذہب وغیرہ تفریقوں سے بالاتر عالمی اور انسانی خدمت کو اپنا نصب العین بنائے ہوئے ہیں۔

اور ھم: ہم عالمگیر اور ابدی دین کے مدعی ہو کر چھوٹے چھوٹے محدود ٹکڑوں میں بٹ کر رہ گئے ہیں اور محض رسمی و نمائشی امور میں لاکھوں کروڑوں روپیہ بغیر کسی شرعی و عقلی نصب العین کے خرچ کر ڈالتے ہیں۔ مذہبی اور سیاسی رہنما جو ہماری غلط روش کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں اور کلمہ حق زبان پر لانے سے ہچکچاتے ہیں اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کا راہِ خدا میں دیا ہوا مال آپ کی دنیا و آخرت کے لئے عزت و آبرو کا باعث ہو تو اللہ و رسول (عزوجل و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم) کی رہنمائی کے مطابق خرچ کیجئے جو لوگ اس رہنمائی سے فائدہ نہیں اُٹھاتے اُن کے متعلق ارشاد ہے:

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا (103) اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا (104)
اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَآئِهٖ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا (105)

(پارہ ۱۶، سورۂ کہف، آیت ۱۰۳ تا ۱۰۵)

ترجمہ: جن لوگوں کی سعی و عمل دنیا کی ہی زندگی میں ضائع ہو رہے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ بڑے بڑے اچھے کارنامے انجام دے رہے ہیں۔ میں تمہیں بتاؤں کہ وہ کون ہیں؟ وہ ربانی احکام اور جزائے اعمال سے انکار کرنے والے ہیں سو ان کے تمام کارنامے بالکل بے کار ثابت ہوں گے اور روزِ قیامت ان کا کوئی وزن نہیں ہوگا۔

اب بہت ضروری ہے کہ تعاون علی الخیر کے جذبہ کے تحت ایسے ادارے قائم کئے جائیں جو اربابِ خیر اور مالداروں سے عطیات وصول کرے اور ان سے جمع شدہ رقوم کو تجارت اور انڈسٹری میں لگائیں ان اداروں کا کام یہ ہو کہ وہ تحقیق حال کے بعد نقصان زدہ افراد اور خاندانوں کی مالی امداد کریں۔ اس سلسلہ میں عام ادارے بھی بنائے جا سکتے ہیں اور خاص بھی۔ خاص کی صورت ہو کہ تاجر اپنا الگ ادارہ بنائیں، صنعت کار اپنا الگ۔

اسلامی حکومت اگر اس سلسلے میں جبْر (زبردستی) کرنا چاہے تو جبر کر سکتی ہے کیونکہ حکومت کو زکوٰۃ کے علاوہ بھی بعض صورتوں میں رعایا سے جبری عطیات وصول کرنے کا حق ہے۔ چنانچہ ایک عربی فقہ میں ہے:

فإن أريد بها ما يكون بحق ككري النهر المشترك وأجر الحارس والموظف لتجهيز الجيش وفداء الأسارى

وغيرها جازت الكفالة بها على الاتفاق [12] (الهداية شرح البداية، فصل في الضمان)

---

[12] (الهداية في شرح بداية المبتدي، كتاب الكفالة، فصل: في الضمان، 3/95، دار احياء التراث العربي بيروت—لبنان)

یعنی اگر اس سے وہ ٹیکس مراد ہیں جو جائز اور صحیح ہیں اور جیسے مُشْتَرَک نہر کا کھودنا، پولیس کی تنخواہ یا فوج کا انتظام کرنے والوں کی تنخواہ جو سب پر ڈال دی جائے یا قیدیوں کو کافروں کے قید سے چھڑانے کے لئے عطیات تو اتفاقاًان کی کفالت کی جاسکتی ہے۔

عاقلہ کا اجراء: اسلام کا قاعدہ ہے کہ ضررِ عام "ضررِ خاص" سے مُقَدَّم (افضل) ہے یہ بھی تو اسلامی قانون کا اصول ہے۔ان تعاونی اداروں کے علاوہ دوسرا اقدام یہ ہو کہ معاقل (خون بہا) کے اسلامی نظام کو پھر سے اسلامی معاشرہ میں جاری کیا جائے۔

عاقلہ: فقہ اسلامی میں یہ ایک مستقل باب ہے اور معاقل معاعقلۃ کی جمع ہے خون بہا کو کہتے ہیں۔ عقل کے معنی روکنے اور منع کرنے کے ہیں اور دِیَت (وہ رقم یا شئے جو خون بہا کے طور پر مقتول کے وارثوں کو دی جائے) کے طریق کار سے لوگوں کی جانیں مفت میں چلی جانے سے محفوظ ہو جاتی ہیں۔اس لئے خون بہا کو عقل کہتے ہیں اور عاقلہ اس جماعت کو کہتے ہیں جو قاتل کی طرف سے اجتماعی طور پر "خون بہا" ادا کرتا ہے۔

نبوی بیمہ: ہجرت کے بعد جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے انصار اور مہاجرین کے درمیان "بھائی چارہ" قائم کرایا تو ایک دستاویز بھی تحریر فرمائی جس میں دونوں کو ایک جماعت قرار دے کر حوادث اور نقصانات کی ذمہ داری ایک دوسرے پر ڈالی۔

محدثِ کبیر ابی ابن شیبہ نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے:

كَتَبَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كِتَابًا بَيْنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ أَنْ لَا يُغْفِلُوا مَعَاقِلَهُمْ ، وَأَنْ يَفْدُوا عَانِيَهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَالْإِصْلَاحِ بَيْنَ النَّاسِ[13] (مسند ابی یعلی الموصلی)

یعنی جنابِ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے انصار اور مہاجرین کے لئے ایک تحریر لکھوائی جس میں یہ تھا کہ انصار اور مہاجرین ایک دوسرے کی دیت ادا کریں گے اور اگر کوئی قید ہو جائے تو اس کا فدیہ ادا کریں گے۔ قاعدہ، قانون اور اصلاحِ باہمی کے طریق پر۔

فاروقی بیمہ: قبائلی سسٹم میں قبیلہ "عاقلہ" سمجھا جاتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب دواوین کو ترتیب دیا تو اہل الدیوان عاقلہ قرار پائے۔ پیشوں کی بنیاد پر بھی ایک پیشہ والوں یعنی برادری کو عاقلہ قرار دیا جاسکتا ہے۔

ولهذا قالوا: لو كان اليوم قوم تناصرهم بالحرف فعاقلتهم أهل الحرفة [14]

اسی بناء پر مشائخ نے فرمایا ہے کہ اگر آج کل تناصر واعانت باہمی پیشوں کے طریق پر رائج ہو تو ایک پیشہ میں منسلک افراد (برادری) عاقلہ قرار دیئے جائیں گے۔

---

[13] (مسند أبي يعلى، بَابُ اول مسند ابن عباس، 466/4، الحديث 2484، دار المأمون للتراث دمشق، الطبعة: الأولى، 1404 1984)

[14] (الهداية في شرح بداية المبتدي، كتاب المعاقل، والعاقلة أهل الديوان إن كان القاتل من أهل الديوان، 506/4، دار احياء التراث العربي بيروت–لبنان)(اللباب في شرح الكتاب، كتاب المعاقل، 178/3، المكتبة العلمية، بيروت لبنان)

فائدہ: عاقلہ پر ذمہ داریاں ڈالنے کی غرض وغایت اور اس کی حکمت امام سرخسی اس طرح بیان کرتے ہیں عاقلہ پر ذمہ داریاں ڈالنا عقلی طور پر یوں سمجھئے۔

قاتل جب فعلِ قتل کا ارتکاب کرتا ہے تو اس اقدام میں خارجی قوت و طاقت کو بڑا دخل ہوتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ قتل کی پاداش میں جب میں پکڑا جاؤں گا تو میرے حمایتی(قبیلہ یا برادری) میری مدد کو پہنچیں گے اب حمایت و نصرت کے چند اسباب ہوتے ہیں۔ کبھی یہ اہلِ دیوان کی یک جہتی پر مبنی ہوتی ہے، کبھی قبیلوں اور خاندان والوں کی بنیاد پر ہوتی ہے، کبھی محلے اور پیشوں کی بناء پر ہوتی ہے چونکہ قاتل ضرورت کے وقت ان سے ہی قوت و طاقت حاصل کرتا ہے اس لئے خون بہا بھی ان ہی پر لگایا جائے گا تاکہ یہ لوگ اپنے میں سے ناسمجھ اور بے وقوف لوگوں کو اس قسم کی حماقتوں سے روکیں۔ خون بہا کا مال بھی کافی مقدار میں ہوتا ہے اس لئے سب پر ڈالنے سے وصولی میں بھی آسانی ہو جاتی ہے۔ ہر ایک شخص ادا بھی اس خیال سے کر دیتا ہے کہ کل اگر مجھ سے بھی اس قسم کا فعل سرزد ہو گیا تو یہی لوگ میرا خون بہا ادا کر دیں گے۔[15] (المسبوط السرخی، جلد۲۶، صفحہ۶۶)

مسئلہ: اگر کسی مقام پر کوئی مقتول پایا جائے اور قاتل کا پتہ نہ چل سکے تو وہاں کی آبادی از روئے شرعی اجتماعی طور پر اس کا خون بہا ادا کرتی ہے۔[16]

شرعی بیمہ: ان مسائل کی روشنی میں ایسا طریق کار اختیار کیا جا سکتا ہے کہ حادثات کی صورت میں ہر پیشہ کا عاقلہ (برادری یا یونین) خون بہا ادا کرے مثلاً بسوں اور ٹرکوں کے مالک ایک عاقلہ قرار دیئے جائیں کسی کی بس سے کوئی جانی یا مالی نقصان ہو جائے تو ان کی انجمن ادائیگی نقصان کی ذمہ دار ہو اس سلسلہ کو دوسرے پیشوں اور حرفوں تک بھی پھیلایا جا سکتا ہے اور ان کے قواعد و ضوابط بنائے جا سکتے ہیں۔ عاقلہ پر ذمہ داری ڈالنا یقیناً ان حوادث میں کمی کا باعث بھی بن سکتا ہے جب کہ حوادث میں بے پناہ اضافہ ہو گیا ہے اور دن بدن ہو رہا ہے اور اب تو انشورنس کے نظام کی وجہ سے یہ عالم ہو گیا کہ لوگ خود اپنی موٹروں، بسوں، ٹرکوں کو حادثہ کا شکار بنانے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ اس طریقہ سے بیمہ کمپنی سے معقول رقم وصول کی جائے۔ رہی قانونی گرفت تو اس سے بچنے کی راہیں تو ملک کے نرم قوانین اور پھر وکلاء کی موشگافیوں(نکتہ چینی) نے بڑی حد تک ہموار کر رکھی ہیں۔

کفالت: کفالت کے ذریعہ پسماندگان کی مالی امداد بڑی حد تک ہو جاتی ہے۔ لوگ بیمہ اس لئے کراتے ہیں کہ ان کے مرنے کے بعد ان کی اولاد کَسْم پُرسی(بے قدری) کے عالم میں مبتلا نہ ہو۔ اس مقصد کے سلسلہ میں عرض ہے کہ اگر کسی جگہ اسلامی نِظامِ مَعِیشَت(نظام زر) کی ترویج صحیح معنی میں ہو تو کوئی باپ اپنے مرنے سے اس لئے خوف زدہ نہیں رہ سکتا کہ میرے مرنے کے بعد میری اولاد مصیبتوں کا شکار ہو گی کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اسلام کے دستورِ مملکت میں یہ دفعہ بھی شامل ہے۔

---

15)(المبسوط ،كتاب المعاقل، 125/27، دار المعرفة – بيروت، تاريخ النشر : 1414هـ 1993م)

16)(الهداية في شرح بداية المبتدي، كتاب المعاقل، بَابُ الْقَسَامَةِ، 497/4، دار احياء التراث العربي بيروت – لبنان)(اللباب في شرح الكتاب، بَابُ الْقَسَامَةِ، 172/3، المكتبة العلمية، بيروت لبنان)

حدثنا محمود، أخبرنا عبيد الله، عن إسرائيل، عن أبي حصين، عن أبي صالح، عن أبي هريرة رضي الله عنه، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: «أنا أولى بالمؤمنين من أنفسهم، فمن مات وترك مالا فماله لموالي العصبة، ومن ترك كلا أو ضياعا فأنا وليه، فلأدعى له[17] (صحيح البخاری)

یعنی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایامیں مومنین سے ان کی جانوں سے بھی زیادہ قریب ہوں لہٰذا جو شخص مال چھوڑ کر مرے تو وہ مال تو اس کے عَصَبات(وراثت)کا ہے اور جو شخص عاجز ودرماندہ قرابت دار اور چھوٹے چھوٹے بچوں کو چھوڑے تو مجھے اس کے لئے بلایا جائے۔

نہ صرف وہ شخص متوفی کے پسماندگان کی مالی امداد اسلامی حکومت کے ذمہ ہے بلکہ اگر اس پر کسی کا قرض بھی ہو تو اس کو بارِ آخرت سے سبکدوش کرانا اور قرض خواہ کو اس کا حق دلوانا بھی حکومت کی ذمہ داری ہے۔ چنانچہ سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

فمن مات وعليه دين ولم يترك وفاء فعلينا قضاؤه[18] (صحیح البخاری،)

یعنی پس جس شخص نے انتقال کے بعد قرض چھوڑا اور اس کی جگہ کی ادائیگی کا کوئی سامان نہیں ہے تو میرے ذمہ اس کی ادئیگی ہے۔

اس کے ساتھ ہی ساتھ عام ناداروں اور غریبوں کی کفالت بھی اسلامی حکومت کی ذمہ داریوں میں داخل ہے۔ جنابِ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے بعض وقت قرض لے کر ناداروں اور غریبوں کی دادرسی فرمائی اور ان کو ننگا بھوکا نہیں رہنے دیا۔ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ عہد رسالت میں اس ادارہ کے نگران تھے۔

ابوداؤد اور بیہقی نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبانی یہ روایت بیان کی ہے:

كنتُ أنا الذي ألي ذاك منه منذ بعثَه اللهُ إلى أن تُوفّي، وكان إذا أتاه الإنسانُ مسلماً فرآه عارياً يأمرني فأنطلقَ فأستقرضَ فأشتريَ له البُرْدةَ فأكسوه وأُطعمَه[19] (سنن ابی داؤد)

یعنی اور میں ہی آپ کی بعثت سے لے کر وفات تک اس کا نگران تھا آپ کے پاس اگر کوئی مسلمان ننگا، بھوکا آجاتا تھا تو آپ مجھے حکم دیتے تھے میں جا کر کسی سے قرض لیتا تھا پھر اس رقم سے اس کے لئے کپڑے اور کھانے کا انتظام کرتا تھا۔

اور حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف سے ہدایت تھی:

أَنْفِقْ بِلَالُ وَلَا تَخَافَنَّ مِنْ ذِي الْعَرْشِ إِقْلَالًا[20] (مسند ابی یعلی الموصلی)

یعنی بلال خوب خرچ کیا کرو اور اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ کرتے ہوئے تنگدستی سے نہ ڈرا کرو۔

---

[17] (صحيح البخاری.كتاب الفرائض. باب ابنى عم احدهما اخ للام والآخر زوج. 153/8.الحديث 6745. دار طوق النجاة. الطبعة: الأولى. 1422هـ)

[18] (صحيح البخاری.كتاب الفرائض. باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: «من ترك مالا فلأهله». 150/8.الحديث 6731. دار طوق النجاة. الطبعة: الأولى. 1422هـ

[19] (سنن ابی داؤد.كتاب الخراج والامارة. والفيء. باب فى الامام يقبل هدايا المشركين». 359/4.الحديث 3055. دار طوق النجاة. الطبعة: الأولى. 1422هـ)

[20] (مسند أبي يعلى. بَابُ اول مسند ابی هريرة. 429/10.الحديث 6040.دار المأمون للتراث دمشق.الطبعة: الأولى. 1404هـ 1984م)

غلاموں کے اوپر خرچ کرنے میں اگر کسی آقا سے کوتاہی ہو جاتی تھی تو ان کے اخراجات بھی اس ادارہ کے ذمہ ہوتے تھے۔ مروان بن قیس دوسی کے حالات میں مروی ہے کہ اُن کے اخراجات پورا کرنے میں ہمیشہ بخل سے کام لیتے تھے۔ ان دونوں نے بارگاہِ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم میں شکایت کی۔ شکایت سنتے ہی حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا گیا: فأمر بلالا أن يقوم بنفقتهما[21] (الاصابة فی تمییز الصحابة)

یعنی بلال کو حکم دیا کہ ان دونوں کے نفقہ کا انتظام کریں۔

وصاية: بیمہ کمپنی کہتی ہے کہ ایک شخص کے پاس مال وغیرہ سب کچھ ہے لیکن اس کے بچے چھوٹے چھوٹے ہیں ڈرتا ہے کہ میرے مرنے کے بعد مال مَتْرُوکہ (وراثت میں چھوڑا ہوا مال و جائداد وغیرہ) کو صحیح طریقہ پر خرچ نہیں کیا جائے گا۔ مال کی نگرانی اور اس کی حفاظت میں دشواریاں ہوں گی اس لئے اپنے مال کو بیمہ کمپنی کے سپرد کر دیتا ہے تاکہ مال نقصان سے محفوظ رہے اور بچوں کی ضروریات (تعلیم، شادی وغیرہ) کے موقعوں پر ان کے مصارف پورے ہوتے رہیں۔ اس کا اسلامی حل "وصاية" کے نظم میں موجود ہے یعنی اس شخص کو چاہیے کہ کسی کو اپنا وَصِی[22] مقرر کر جائے۔ وَصِی کے باضابطہ فرائض ہیں اور وہ ان کے لئے مَسْئُول (جواب دہ) ہے جس کو فقہ کی کتابوں میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ اجمالی فرائض کا نقشہ الهداية میں اس طرح دیا گیا ہے:

شراء كفن الميت وتجهيزه" لأن في التأخير فساد الميت ولهذا يملكه الجيران عند ذلك "وطعام الصغار وكسوتهم" لأنه يخاف موتهم جوعا وعريا "ورد الوديعة بعينها ورد المغصوب والمشترى شراء فاسدا وحفظ الأموال وقضاء الديون" لأنها ليست من باب الولاية فإنه يملكه المالك، وصاحب الدين إذا ظفر بجنس حقه وحفظ المال يملكه من يقع في يده فكان من باب الإعانة. ولأنه لا يحتاج فيه إلى الرأي "وتنفيذ وصية بعينها وعتق عبد بعينه" لأنه لا يحتاج فيه إلى الرأي "والخصومة في حق الميت" لأن الاجتماع فيها متعذر ولهذا ينفرد بها أحد الوكيلين "وقبول الهبة" لأن في التأخير خيفة الفوات، ولأنه يملكه الأم والذي في حجره فلم يكن من باب الولاية "وبيع ما يخشى عليه التوى والتلف[23] (بدایۃ المبتدی)

میت کے کفن کی خریداری اور اس کی تجہیز و تکفین چھوٹے نابالغ بچوں کے خورد و نوش (کھانا پینا) اور کپڑوں کا انتظام امانت اور غصب کئے ہوئے کپڑوں اموال کی اور بیع فاسد سے خریدے مال کی واپسی مال و جائیداد کی حفاظت قرضوں کی ادائیگی، وصیت کے نفاذ کے انتظامات مرنے والے کے کسی حق کے لئے نالش کرنا ہبہ قبول کرنا، جن چیزوں کے خراب ہونے کا ڈر ہو ان کو فروخت کرنا، گمشدہ اموال کی واپسی کی کوشش کرنا۔

خیر القرون: عہدِ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اور دورِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں اس پر برابر عمل ہوتا رہا۔ چنانچہ جعفر بن ابی طالب کی شہادت کے بعد جنابِ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دونوں صاحبزادوں محمد اور عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی "وصایت" کی ذمہ داری قبول کرتے ہوئے فرمایا:

---

[21] (الاصابة في تمييز الصحابة، مروان بن قيس الدوسيّ، 66/6، دار الكتب العلمية بيروت، الطبعة: الأولى 1415 هـ)

[22] (فقہ/قانون) وہ شخص جس کو وصیت کی گئی ہو، وصیت پر عمل کرنے والا، جسے کوئی کام یا منصب دیا گیا ہو، مختار، منصرم، جانشین، متولی

[23] (الهداية في شرح بداية المبتدي، كتاب الوصايا، باب الوصي وما يملكه، 540/4، دار احياء التراث العربي بيروت–لبنان)

أَنَا وَلِيُّهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ[24] (اتحاف الخيرة المهرة)

یعنی میں دنیااور آخرت دونوں میں ان کا سرپرست ہوں۔

اور صاحب "سمط الجوهر الفاخر" نے ایسے متعدد یتیم بچوں کے نام گنائے ہیں جن کے آپ وصی تھے جن میں سے تین کو یہاں ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱) محمد بن عبداللہ بن جحش اُن کے والد ماجد غزوہ اُحد میں شہید ہو گئے تھے۔ شہادت سے قبل حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو وصی مقرر فرمایا آپ نے ان کے لئے خیبر میں زمین خریدی جن سے ان کے اخراجات پورے ہوتے تھے اور مدینہ منورہ کے سوق الرقیق میں ایک گھر بطورِ عطیہ دیا جس میں ان کی رہائش تھی۔[25]

(۲) اُم زینب بنت نبیط ان کے والد سعد بن زرارہ نے آپ کو وصی مقرر کیا تھا۔[26]

(۳) قبیلہ بنی لیث بن بکر کی ایک بچی اس کے بھی آپ وصی تھے۔[27]

حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ "وصایت" کے اُٹھانے میں بڑے مشہور تھے چنانچہ ان کو سات جلیل القدر صحابہ حضرت عثمان، عبدالرحمن بن عوف، مقداد بن الاسود، ابن مسعود، زبیر بن بکار، مطیع بن الاسود، ابوالعاص بن الربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے وصی مقرر کیا تھا۔[28] (اسد الغابۃ)

ابو عبداللہ السنوی نے سات کے بجائے ستر کا ذکر کیا ہے چنانچہ کہا ہے:

"وأوصى إليه سبعون من الصحابة بأموالهم وأولادهم، فحفظها وكان ينفق عليهم من ماله۔"[29] (شرح ہمزیہ)

یعنی ستر صحابہ نے ان کو اپنے اموال واولاد کا نگران مقرر کیا تھا حضرت زبیر ان پر اپنا مال بھی خرچ کرتے تھے۔

اگر کسی نے اپنا وصی مقرر نہیں کیا ہو تو اس کے اموال کی حفاظت اور اولاد کی صیانت کے لئے حاکم کو حق دیا گیا ہے کہ وہ وصی مقرر کر دے ورنہ بیت المال میں اُن کے اموال جمع کرے اور حسبِ ضرورت خرچ کرتا رہے۔

مختصر خاکہ: فقیر نے صرف بطورِ نمونہ چند اسلامی شقیں عرض کی ہیں ورنہ اُن کے علاوہ سینکڑوں اسلامی طریقے پیش کئے جا سکتے ہیں لیکن کیا کیا جائے کہ ہمارے پاس قلم ہے لیکن اسے عملی جامہ پہنانے کے لئے نہ درہم ہے نہ حکم۔ اگر صرف ان چند شقوں پر نہ سہی صرف ایک پر ہی ایمانداری ودیانت داری

---

[24] (إتحاف الخيرة المهرة بزوائد المسانيد العشرة. فضائل جعفر وأولاده رضي الله عنه. 227/7. الحديث 6725. دار الوطن للنشر. الرياض. الطبعة: الأولى. 1420 هـ 1999 م)

[25] (الاصابة في تمييز الصحابة. 7800 محمد بن عبد الله. 19/6. دار الكتب العلمية بيروت. الطبعة: الأولى 1415 هـ)

[26] (أسد الغابة في معرفة الصحابة. زينب بنت نبيط. 136/7. دار الكتب العلمية. سنة النشر: 1415هـ 1994 م)

[27] (نظام الحكومة النبوية: المسمى التراتيب الادارية. باب في الأوصياء والوصاية. 208/1. دار الأرقم بيروت)

[28] (أسد الغابة في معرفة الصحابة. الزبير بن العوام. 307/2. دار الكتب العلمية. سنة النشر: 1415هـ 1994 م)

[29] (نظام الحكومة النبوية: المسمى التراتيب الادارية. باب في الأوصياء والوصاية. 208/1. دار الأرقم بيروت)

سے عمل ہو جائے تو پھر قدرت کا کرشمہ دیکھئے۔ کاغذی گھوڑے دوڑانا اور زبانی جمع خرچ کرنا سستی شہرت اور کرسی کا حصول ہے اور اس کی مضبوطی کی جگہ کی فکر تو پھر خدا حافظ۔

بیمہ کمپنی کا سب سے بڑا حربہ: ہر انسان مجبور ہو جاتا ہے جب دیکھتا ہے کہ دنیا حوادث کی آماجگاہ ہے اس کی عملی صورت ہمارے دور میں کسی سے ڈھکی چھپی ہوئی نہیں۔ روزانہ حادثات کی بھرمار ہے، جانی مالی نقصانات اندازے سے باہر ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں ابھی چنگا بھلا، خوش و خرم باتیں کر رہا ہے، آنکھ ہی نہیں جھپکی حادثہ کی زد میں آ گیا۔ پھر پتہ نہیں چلتا کہ ہاتھ کہاں تو پاؤں کہا، چہرہ کہا تو ڈھانچہ کہاں، درجنوں انسان ایک حادثے میں یا موت کا شکار ہو رہے ہیں یا لنجے، لنگڑے، اپاہج بن کر اُٹھے ہیں اور نہ صرف وہ ایک ایک بلکہ ایک ایک سے درجنوں افراد مصائب و مشکلات میں گرفتار کہ جو حادثہ کے منہ میں آیا وہی واحد ان کا کفیل تھا۔ اب اس کنبہ کو روٹی کھانے کو نہ کپڑا پہننے کو، گویا کنبے کا کنبہ تباہ ہو گیا۔ ایسے ہی کاروبار کا حال ہے کہ دیکھتے دیکھتے کل کا بڑا صنعت کار جو کل ایک بہت بڑی انڈسٹری کا مالک تھا اچانک آگ لگ گئی، مشینری اور سارا سامان جل کر راکھ ہو گیا اب وہ نان جویں کو بھی محتاج ہے۔ اس طرح روزانہ موٹروں کے حادثے تو ہمارے روزمرہ کے معمول بن چکے ہیں اس کی کفالت کے لئے عملی طور پر بیمہ کمپنی نے خود کو پیش کر دیا تو صاحب الغرض مجنون، اہلِ غرض مجنون ہو جاتا ہے کے پیش نظر ہر انسان نے بیمہ کرانے میں آسودگی سمجھی لیکن مرنے کے بعد دیکھی جائے گی جو کچھ ہوگا لیکن جسے خوفِ خدا ہے وہ بھوکا مرنا منظور کرتا ہے مگر جہنم کے انگاروں میں جلنا نہیں چاہتا۔

فقیر اُویسی غفرلہ کی اپیل: سود کے جملہ کاروبار سے بیمہ، انشورنس ہو یا بینک یا دیگر پالیسیاں خود بھی بچو اپنے اہل و عیال، اعزہ و اقارب اور احباب و دوستوں کو بچاؤ۔ فقیر کی پیش کردہ پالیسی پر عمل نہیں ہو سکتا تو فقیر کا یہ پیغام گھر گھر پہنچاؤ ہو سکے تو یہ رسالہ یا اس جیسی اور تحریریں مفت کرو۔ حدیث شریف میں ہے کہ کسی ایک فرد کو راہِ راست پر لانا سو کافروں کو قتل کرنے سے بہتر ہے۔ فقیر قلمی جہاد کے لئے اپنے ذمہ سے سبکدوش ہوا۔

نوٹ: بیمہ وغیرہ کے لئے فقیر کا تفصیلی رسالہ "بیمۂ زندگی بمطابق فقہ حنفی" پڑھئے۔

وَاللّٰهُ تَعَالٰی وَرَسُوْلُهٗ اِلَّا عَلٰی اَعْلَمُ بِالصَّوَابْ

هذا آخر مارقمه قلم

مدینے کا بھکاری

الفقیر القادری ابوالصالح محمد فیض احمد اُویسی رضوی غفرلہٗ

بہاول پور۔ پاکستان

۱۸ جمادی الآخر ۱۴۱۱ھ، ۲۷ دسمبر ۱۹۹۱ء قبل اذانِ الجمعہ